ڈاکٹر سائرہ بتول

استاد شعبہ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

''شہرت کی خاطر'': تجزیاتی مطالعہ

Dr. Saira Batool

Assistant Professor Urdu Department, International Islamic University, Islamabad.

Shohrat Ki Khatir, Analytical Study

Nazeer Ahmad Siddiqui is a well known poet and prose writer.He wrote features and persuasive essays as well.Critism was the basic shade of his writing.He was very skilled in urdu prose."Shorhrat ki Khatir" is a collection of his satirical pursuasive essays.Although satire is a diminant element in this book but humor makes his style pleasent and persuasive.He has presented his phiolosopical thoughts in simpe words.His pessimistic views about life creats creatscrusive satire in "Shohart ki Khatir".Actually Nazeer Siddiqui highlightes the drawbacks of human nature throuhg his satirical style of writing.He is a keen observer of human nature ,that's why his essays reflect his philosopical thoughts of life.In this context his collection of essays "Shohrat ki Katir "lighted the style of Nazeer Siddiqui as a social reformer.His sensitivity to the major issues of life is remarkable.This article will highlight his ironic and satirical style of writing in "Shohrt ki Khatir".

نظیر صدیقی اردو نظم ونثر کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ان کی کتاب ''شہرت کی خاطر'' کو ان کے شگفتہ انداز تحریر کی وجہ سے انشائیہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔انھوں نے جس طرح غیر جانبداری اور صداقت سے تنقید کی خدمت کی اسی اخلاص کے ساتھ

اردو انشائیے کا بھی دامن وسیع کیا۔ نظیر صدیقی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھیں کسی فکری یا ادبی دبستان کا پیروکار قرار نہیں دیا جاتا۔ انھوں نے ادب میں مختلف نظریات کو اپنا کر پروان چڑھنے والی کسی ایک ادبی تحریک کا بار احسان بھی سر پر نہ لیا۔ ترقی پسندوں کی طرف جزوی ذہنی میلان بھی ان کی انفرادیت پسندی کے باعث وقتی ثابت ہوا اور وہ بہت جلد اس مخصوص مزاج اور روایت سے علیحدہ ہو گئے۔ ان کا نظریۂ ادب انفرادیت کی پیداوار ہے۔ وہ ادب کی تخلیق میں صرف کائنات کی حقیقی تصویر کشی کے قائل نظر آتے ہیں۔ وہ اس نقطۂ نظر کے حامی تھے کہ ادب کی ادبیت ہر شے پر مقدم ہے۔ ''شہرت کی خاطر'' ۱۹۶۱ء میں پاک کتاب گھر ڈھاکہ سے سے شائع ہوئی اور دوسری مرتبہ اضافے و ترمیم کے ساتھ اردو اکیڈمی سندھ کے تحت ۱۹۷۹ء میں طبع ہوئی۔ ''شہرت کی خاطر'' کو نظیر صدیقی نے انشائیوں اور طنزیہ خاکوں کی کتاب کے طور پر پیش کیا۔ کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:۔

> ''اس کتاب کے مضامین ادب کی اس صنف سے تعلق رکھتے ہیں جسے انگریزی میں ایسے (Essay) کہتے ہیں۔ اردو میں ایسے کے لیے کوئی اور ایسی اصطلاح نہیں جسے سب لوگ متفقہ طور پر استعمال کرتے ہوں۔ ہماری زبان میں ادب کی اس صنف کے لیے مختلف نام تجویز کیے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً اکثر لوگ اسے مزاحیہ اور طنزیہ مضمون کہتے رہے ہیں۔ بعض نے اسے انشائے لطیف کہا ہے، کسی نے اس کا نام لطیف پارہ رکھا اور بعض نے انشائیہ، ذاتی طور پر میں انشائیہ کی اصطلاح کو دوسری اصطلاحات پر ترجیح دیتا ہوں۔'' (۱)

انشائیے کی تاریخ اور تعریف کے حوالے سے وزیر آغا اور نظیر صدیقی کے اختلافات ایک عرصے تک ادب کا موضوع رہے۔ وزیر آغا کو اعتراض تھا کہ ان کی تحریر میں طنز و مزاح کا عنصر غالب ہے۔ جس کی بنا پر ''شہرت کی خاطر'' کی تحریریں انشائیے کے معیار پر پوری نہیں اترتیں، اس لیے انھیں طنزیہ و مزاحیہ مضامین ہی کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے اس رائے پر سند صدیق پیش کرتے ہوئے لکھا۔

> ''انشائیہ جس فکری توازن و اعتدال کا تقاضا کرتا ہے وہ نظیر صدیقی کے ہاں ان کی قنوطیت اور کلبیت پسندی کی بنا پر پیدا نہیں ہوا' انھوں نے نوعِ انسان کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا اور دنیا کو مائل بہ شر تسلیم کیا۔ اپنے اس مزاج کو جب وہ اپنی تحریروں میں پیش کرتے ہیں تو بالعموم سنجیدہ باتیں غیر سنجیدہ انداز میں کرنے لگ جاتے ہیں' جس سے ایک مخصوص قسم کا منفی تاثر پیدا ہوتا ہے اور نظیر صدیقی موضوع پر محبت و التفات نچھاور کرنے اور اس سے مسرت کشید کرنے کے بجائے موضوع سے نالاں نظر آتے ہیں' وہ طنز کی ایسی زہرناکی پیدا کرتے ہیں جو انشائیہ کے فطری مزاج کو مجروح کر ڈالتی ہے۔''(۲)

جب کہ نظیر صدیقی کا خیال ہے کہ طنز و مزاح، اوصاف ادب ہیں نہ کہ اصناف ادب۔ جس طرح نظم و نثر کی دیگر اصناف میں مزاح کی چاشنی اس کی لطافت کو بڑھاتی ہے، نظم میں طنزیہ، مزاحیہ غزلیں، قطعات اور رباعیات ملتی ہیں اور غزل کے ایک یا دو اشعار طنزیہ و مزاحیہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح انشائیہ بھی نثر کی ایک صنف ہے، اس کو بھی ہر انداز میں تحریر کیا جا سکتا ہے۔ انھی

اعتراضات کے جواب میں نظیر صدیقی نے لکھا ہے کہ:

''ایک مرتبہ میرے ایک پڑھے لکھے دوست مجھ سے یہ سوال کر بیٹھے کہ تمہارے انشائیوں میں طنز کا عنصر نمایاں ہے تو تمہیں انشائیہ نگار کی بجائے طنز نگار کیوں نہ کہا جائے۔ میں نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھے بیک وقت انشائیہ نگار اور طنز نگار مان لیں تو اس میں کیا قباحت ہے۔ میں ادب کی جس صنف کو استعمال کرتا ہوں۔اس لحاظ سے یقیناً انشائیہ نگار ہوں اور اگر میرے انشائیوں کا نمایاں عنصر طنز ہے تو اس صفت کی بنا پر میں طنز نگار بھی کہلا سکتا ہوں۔'' (۳)

صنف انشائیہ کے بارے میں نظیر صدیقی ایک واضح نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ان کے اس منفرد نقطۂ نظر کو اختلاف برائے اختلاف سمجھا گیا۔انشائی مجموعے ''شہرت کی خاطر'' کا مطالعہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ ان کی تحریر میں پڑھے جانے کی قوت پوری شدت سے موجود ہے۔اختلاف کے باوجود ان کے ادبی مخالفین نے ان کی بعض تحریروں کو انشائیہ نگاری کے اعلیٰ نمونے قرار دیا ہے۔

''ان کی بعض تخلیقات میں سنجیدہ بات کو غیر سنجیدہ انداز میں پیش کرنے کی بجائے خود سنجیدہ بات میں مضمر اس خیال کو سامنے لانے کی کاوش ملتی ہے جو انشائیہ کا بنیادی وصف ہے۔خصوصا ''دوست اور دوستی'' ''پدرم فقیر بود'' اور ''شادی'' ایسی تحریریں ہیں جنھیں انشائیہ نہ کہنے کا کوئی جواز نہیں۔ان میں ذہن کی آزاد ترنگ کا مظاہرہ بھی ہے اور نکتہ آفرینی کا عنصر بھی۔ان انشائیوں میں طنز و مزاح کے اوصاف انشائیہ کے بنیادی وصف پر حاوی نہیں ہونے پائے۔'' (۴)

زندگی کے تلخ حالات و حوادث حساس انسان پر اثر انداز ہو کر اسے غم و غصے کا شکار بنا دیتے ہیں جس کا اظہار طنز کی صورت احاطۂ تحریر میں آتا ہے۔اس کا اعتراف نظیر صدیقی نے خود کیا ہے کہ غم و غصہ ان کی تحریروں کے بنیادی محرکات رہے ہیں۔انھوں نے غم کو شاعری کا اور غصے کو انشائیوں کا محرک قرار دیا۔یہی وجہ ان کے انشائیوں میں مزاح سے زیادہ طنز کا سبب بنی۔یہ حقیقت ہے کہ غصے کی کیفیت انسانی فطرت کی بڑی خامی ہے۔اس حالت میں انسان کو خیر کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔چونکہ وہ منفی انداز میں سوچ رہا ہوتا ہے اس لیے منظر میں موجود ہر رنگ اسے برانگیختہ کر دیتا ہے۔نظیر صدیقی طنز کو عصری ضرورت سمجھتے ہیں۔معاشرتی اور انسانی کمزوریوں کا تذکرہ ادبی خدمت سمجھ کر کرتے ہیں۔ان کے انشائیے خوب صورت مرغزاروں میں بہنے والے مترنم جھرنے نہیں بلکہ چیختے، چنگھاڑتے اور ٹھاٹھیں مارتے دریا کی مانند ہیں جس کے دھارے بیک وقت ایک ہی طغیانی سے بہے چلے جاتے ہیں جن میں طنز و مزاح اور فکر کی گہرائی موجود ہوتی ہے۔مزاح سے زیادہ طنز کا نمایاں عنصر ان کے انشائیے ''دوست اور دوستی'' میں نمایاں ہے۔

''دوست اور دشمن میں فرق کرنے کی تمیز رکھنے کے باوجود یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ دوست زیادہ برے ہوتے ہیں کہ دشمن۔ میری اس الجھن کا سبب یہ ہے کہ مجھے دوستوں کی صحبت میں دشمنوں سے زیادہ ان دوستوں کی شکایتیں سننے کا اتفاق ہوتا رہا ہے جو وہاں موجود نہ تھے۔'' (۵)

اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ طنز ان کے انشائیوں میں مثبت انداز سے آیا ہے جس کا مقصد کمزوریوں اور برائیوں کا خاتمہ ہے لیکن طنز کے ساتھ ساتھ مزاح کی ہلکی سی چاشنی بھی جا بجا بکھری ہوئی دیکھی جا سکتی ہے۔ انشائیہ ''دوست اور دوستی'' نظیر صدیقی کے تصور انشائیہ کی پوری نمائندگی کرتا ہے۔ کیونکہ اس انشائیہ میں طنز کی ایک لہر جاری و ساری ہے لیکن اس کے باوجود یہ طنز صداقت سے خالی نہیں۔ یہ صداقت انسانی زندگی اور انسانی فطرت کے گہرے مشاہدے اور مطالعے سے آتی ہے انھوں نے دوست اور دوستی کی جتنی خامیوں اور خرابیوں کی طرف توجہ دلائی ہے ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن نظیر کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے یہ کام سنجیدہ مضمون نگار کے بجائے انشائیہ نگار کی حیثیت سے انجام دیا۔ اس لئے ان کی اس بات سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ صرف شناسائی ہی دوستی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات اور بعض حالات میں دوستی بھی شناسائی میں تبدیل ہو جاتی ہے جو یقیناً انسان کے لیے نہایت تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے۔ انھوں نے اتنے سادہ انداز میں زندگی کی اس تلخ حقیقت کو بیان کیا ہے کہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

''زندگی کی طرح دوستی کی بھی ایک میعاد ہوتی ہے۔ جس طرح آدمی اپنی زندگی کی میعاد سے واقف نہیں ہوتا اسی طرح دوست اپنی دوستی کی میعاد سے واقف نہیں ہوتے۔ لیکن ہر دوستی کا چھوٹی بڑی میعاد پوری کر کے ختم ہو جانا ناگزیر ہے۔ دوستی کے خاتمے کے معنی لازمی طور پر دشمنی کی ابتدا کے نہیں ہوتے۔ بعض اوقات دوستی بغیر عناد و عداوت کے تدریجی طور پر خاموشی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور آپ محسوس کرتے ہیں کہ اب میرے فلاں دوست اور میرے درمیان پہلی سی بات نہیں رہی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اگرچہ اب ہم ایک دوسرے کے دشمن تو نہیں مگر اب دوست بھی باقی نہیں رہے۔ یعنی اب ہم ایک دوسرے کے شناسا رہ گئے۔ کتنی عجیب مگر کتنی دلچسپ بات ہے کہ صرف شناسائی دوستی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ دوستی بھی شناسائی میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یہ اور بات کہ لوگوں کو اس کا احساس نہ ہو''۔ (۶)

اسلوب زندگی اور شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ نظیر صدیقی کے انشائیے بھی ان کی ذات کی سچائیوں کے عکاس ہیں۔ زندگی کے خارجی اور اجتماعی معاملات سے ان کی دل چسپی کا اظہار کرتے ہیں۔ خیال کو تصنع و بناوٹ سے پاک موزوں الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ نظیر صدیقی بڑے بڑے فلسفیانہ مباحث کو بھی بڑی سادگی اور روانی کے ساتھ اپنی تحریروں میں پیش کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ انھوں نے انشائیہ ''پدرم فقیر بود'' میں آباء پر فخر کرنے کے عمومی رویے کو فقر کے مسائل کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے۔ آباء پرستی کے فلسفے کا بیان نہایت عمدہ کوشش ہے۔ ہمارے شعور و لاشعور میں جو نظریات پروان چڑھتے

ہیں ان کو نہ صرف وہ جانتے اور سمجھتے ہیں بلکہ پرکھتے بھی ہیں پھر انھیں بیان کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے یوں ان کا بیان ادراک کے نئے درِوا کرتا چلا جاتا ہے۔

''سچ پوچھیے تو یہ اعتراض عقل کی کمی سے زیادہ مشاہدے کی کمی پر مبنی ہے یہ ممکن ہے کہ آپ نے کسی کو پدرم فقیر بود کا فقرہ افتخار کے طور پر کہتے نہ سنا ہو۔لیکن آپ نے یہ ضرور دیکھا ہوگا کہ ہر آدمی اپنے باپ کے سلطان ہونے ہی پر فخر نہیں کرتا بلکہ اور بہت سی چیزوں پر فخر کرتا ہے جن میں باپ کا فقیر ہونا بھی شامل ہے۔یہیں سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ فخر کا جذبہ جتنا عالمگیر ہے فخر کا مسئلہ اتنا ہی پیچیدہ ہے۔اس مسئلے کی پیچیدگی اس بات میں پوشیدہ ہے کہ آج تک انسان یہ طے نہ کر سکا کہ فی الحقیقت ہمیں کن چیزوں پر فخر کرنا چاہیے اور کن چیزوں پر نہیں۔اس معاملے میں کسی فیصلے تک نہ پہنچنے ہی کا نتیجہ ہے کہ دو آدمی دو متضاد چیزوں پر فخر کرتے پائے جاتے ہیں۔اگر ایک کو اس بات پر فخر ہے کہ اس کا باپ سلطان تھا تو دوسرے کو اس پر فخر ہے کہ اس کا باپ فقیر تھا۔اگر ایک کو اس پر فخر ہے کہ وہ اپنے منہ میں چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوا تھا تو دوسرے کو اس پر فخر ہے کہ وہ گدڑی کا لعل ہے۔اگر ایک کو اس پر فخر ہے کہ وہ محنت و مشقت کی زندگی سے کوسوں دور ہے تو دوسرے کو اس پر فخر ہے کہ اس نے ہمیشہ محنت و مشقت کی روٹی کھائی ہے۔اگر ایک کو اس پر فخر ہے کہ اس نے کبھی فرسٹ کلاس سے نیچے کے درجے میں سفر نہیں کیا تو دوسرے کو اس پر ناز ہے کہ اس نے کبھی تھرڈ کلاس سے اوپر کے درجے میں سفر کی خواہش تک نہ کی۔اگر کسی کو جان لینے پر فخر ہے تو کسی کو جان دینے پر ناز ہے۔غرض کہ فخر کا کوئی معیار نہیں۔جو شخص جس چیز پر فخر کرنا چاہے فخر کر سکتا ہے۔'' (۷)

انشائیے کو موضوعی اور داخلی صنف ادب کہا جاتا ہے۔انشائیہ بظاہر تو گرد و پیش اور خارج میں موجود اشیا سے سروکار رکھتا ہے لیکن حقیقت میں باطن سے معنی کشید کر کے اسے خاص انداز میں پیش کرنے کا عمل ہے۔اس صنف میں بنیادی اہمیت اس بات کی ہے کہ انشائیہ نگار نے اپنے اردگرد پائی جانے والی زندگی اور اس کے مظاہر کو اپنے اندر اتار کر کس حد تک اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے کو تحریر میں شامل کیا ہے۔نظیر صدیقی کی تحریر میں جو قنوطیت اور کلبیت پائی جاتی ہے وہ ان کی فطرت کا خاصہ ہے۔ان کی قنوطیت کی بنیادی وجہ شاید یہ ہے کہ انھوں نے خوشی کے بجائے غم کو اثاثۂ زیست بنائے رکھا۔یہی محبوب اثاثہ انھیں ہر مشاہدے میں غم پرستی اور بیانِ غم کی تحریک دیتا ہے۔ان کے انشائیوں میں غم کا بیان تمام اشیائے عالم میں پیوست نظر آتا ہے۔اور وہ بااہتمام غم کو اس موضوع کا جزو لاینفک بناتے ہیں۔ ''شہرت کی خاطر'' سے ایک اقتباس ذیل میں درج ہے جس سے مصنف کے اسلوب کی خصوصیات واضح ہو جائیں گی۔

''شادی کے ساتھ خانہ آبادی کے الفاظ روایتی طور پر استعمال ہوتے چلے آئے ہیں۔لیکن اس بات کی تحقیق آج تک نہ ہوئی کہ شادی سے گھر واقعی آباد ہوتے بھی ہیں یا نہیں اگر گھر کے افراد کی تعداد میں

اضافے کے معنی خانہ آبادی کے ہیں تو یقیناً شادی سے گھر آباد ہوتا ہے۔لیکن مشاہدہ بتاتا ہے کہ گھر کے افرا د کی تعداد جتنی بڑھتی جاتی ہے افراد کی سہولتیں اور مسرتیں اتنی ہی کم ہوتی جاتی ہیں یہاں تک کہ گھر کی بڑھتی ہوئی آبادی ہی گھر کی بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔'' (۸)

مذکورہ بالا انشائیہ ''شادی'' کو پڑھ کر ایک اور بات کا انکشاف بھی ہوتا ہے کہ ان کے بعض ذاتی مسائل انشائیے کی صنف میں کیسے سما جاتے تھے۔''شہرت کی خاطر'' کے بعد انھوں نے جو انشائیے لکھے ان میں ایک '' آگ وہ گھر میں لگی ہے کہ بجھائے نہ بجھے'' ہے جسے وہ بوجوہ کسی کتاب میں شامل نہیں کر سکے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ذاتی اور ازدواجی زندگی کتنی تلخیوں اور اذیتوں سے دوچار رہی ہے۔

نظیر صدیقی اپنے انشائیہ'' آزادی اور شرافت'' میں لکھتے ہیں:

''جیسا کہ امجد کی گفتگو سے اندازہ ہوا۔میاں بیوی دونوں میری شرافت کے بہت قائل ہیں۔اتنے ہی قائل جتنا بعض دوستوں کی شرافت کے شاکی۔امجد کو دو ایک دوستوں کی یہ بات بہت ناگوار گزرتی ہے کہ جب وہ اس کے گھر پر اس سے ملنے آتے ہیں تو کھڑکیوں یا ادھ کھلے دروازوں سے اس کی بیوی کو دیکھ لینے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔امجد آئے دن مجھ سے ایسے دوستوں کی حسن نیت کا رونا روتا رہتا ہے۔اب وہ اپنے معاشرے میں دل و نگاہ کی آزادی کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔اب وہ لوگوں میں شرافت نفس کی کمی پر کڑھتا رہتا ہے۔امجد کی اس ذہنی تبدیلی نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ کیا آزادی کے معنی صرف اپنی آزادی اور شرافت کے ہیں یا صرف دوسروں کی شرافت کے ہیں۔اگر زحمت نہ ہو تو اس سوال پر آپ بھی غور فرمائیں۔'' (۹)

اپنے اس انشائیے میں نظیر صدیقی نے انسانی زندگی کے ایک خاص پہلو تضاد پر مزاحیہ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ انسان خود آزاد رہنا چاہتا ہے اور غیر اخلاقی سرگرمیوں میں اس وقت تک مبتلا رہنا چاہتا ہے جب تک اس کی زندگی میں اس کی شرافت اور آزادی کو کوئی دوسرا مداخلت کر کے ختم نہ کر دے مگر جب بات اس کی اپنی عزت کی آتی ہے اور آزادی کو پابندی میں جکڑا جاتا ہے تو اس کو لوگوں سے شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔اپنے علاوہ سب لوگ بدمعاش اور آزاد خیال نظر آتے ہیں۔یہ رویہ درحقیقت ایک ایسی سچائی ہے جس کے پیچھے یہ حقیقت چھپی ہوئی ہوتی ہے کہ دنیا بھر کی برائی اگر انسان کی اپنی نظر میں درست ہے تو پھر وہ چاہتا ہے کوئی اعتراض نہ کرے اور اس کی آزادی پر کوئی کسی قسم کی پابندی نہ لگائے۔لیکن وہی برائی جب اس کے گھر تک پہنچتی ہے تو اس سے برداشت نہیں ہوتی۔

دراصل نظیر صدیقی مزاحیہ انداز میں انسان کی سچی حقیقتوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور وہ اس کوشش میں کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔امجد جیسے انسان ہمارے معاشرے کا ایک اہم حصہ ہیں، ایسا حصہ جو صرف اپنی شرافت اور آزادی

کے قائل ہیں۔انسانی جذبوں میں صداقت اس وقت نظر آتی ہے جب بات احساسات و واقعات کی کی جائے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں نہ تو طنز ہے اور نہ نشتر۔یہ زندگی کا المناک نہیں بلکہ شرمناک پہلو ہے۔اس پہلو کو مزاحیہ انداز میں ہی بیان کیا جاسکتا ہے طنزیہ انداز میں نہیں۔اس لئے نظیر صدیقی نے بھی اس انشائیہ میں مزاحیہ پہلو کو زندگی کی سب سے بڑے حقیقت کے روپ میں پیش کیا ہے۔

نظیر صدیقی کی کتاب ''شہرت کی خاطر'' میں موضوعات کا تنوع بھی قابل دید ہے۔وہ جہاں ایک طرف شادی جیسے ادارے کے رمز کھولتے ہیں تو دوسری طرف ان کی نظر بڑی باریک بینی سے تعلیمی نظام کا بھی جائزہ لیتی ہے۔ان کے نزدیک زندگی جتنی متنوع ہے ان کا تجزیہ بھی اتنا ہی گہرا اور باریک بیں ہے۔اپنے انشائیہ ''مستقبل کا ادیب'' میں وہ اپنے دور کے ادبا سے بھی خطاب کرتے ہیں۔ان کے انشایئے ''جہاں میں رہتا ہوں''

''اشتہار یا انکشاف'' اور ''بیسویں صدی'' بھی قابل ذکر ہیں۔

انشائیہ نگاری کی ابتدا اور ارتقا میں نظیر صدیقی کا حصہ قابل قدر ہے۔نظیر صدیقی نے انشائیہ کو انفرادیت، اپج اور نئے پن سے متعارف کروایا اور ساتھ ساتھ طنز و مزاح کے گہرے نقوش بھی انشائیہ کی زینت بنائے۔وہ اپنے عہد کا پورا شعور رکھتے تھے۔فکر و فلسفہ ان کے انشائیوں کے بنیادی عناصر ہیں۔فلسفیانہ مباحث کو نئے معنی ومفاہیم عطا کر کے دلی کرب کا اظہار گہری معنویت کے ساتھ اس طرح کرتے ہیں کہ الفاظ اپنے عہد کی کہانی سناتے محسوس ہوتے ہیں۔

نظیر صدیقی کے انشایئے ہمارے عہد اور ہم عصر زندگی کے عکاس ہیں۔ان کی بنیاد ایسے واقعات پر استوار ہے جن کی تہہ میں انسان یا معاشرے کی کوئی نہ کوئی خرابی یا کمی موجود ہے۔مگر یہ واقعات فرضی یا خودساختہ نہیں ان میں لکھنے والے کا ذاتی مشاہدہ یا تجربہ شامل ہے اور کیونکہ سچ بعض اوقات تلخ بھی ہوتا ہے۔اس لئے اگر کہیں تلخی کا عنصر آ گیا ہے تو وہ ناگزیر ہے۔یوں ہم ان انشائیوں کے آئینے میں اپنے دور کی سماجی اور سیاسی زندگی کے بہت سے گوشے دیکھ سکتے ہیں اور اپنی زندگی اور رویوں کو بہتر بنا سکتے ہیں۔انشائیہ نثری ادب کا ایک خاص اسلوب ہے جس کا حسن یہ ہے کہ انسان آزادی سے اپنی شخصیت کا اظہار کرتا ہے۔نظیر صدیقی نے بھی اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات کو جوں کا توں بیان کر دیا ہے۔یہ درست ہے کہ ان کے اسلوب میں شگفتگی کی کمی ہے لیکن پڑھے جانے کی طاقت ضرور رکھتے ہیں۔نظیر صدیقی کے انشائی اسلوب کی اگر مجموعی خصوصیات بیان کی جائیں تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان کے ہاں طنز' فکر' فلسفہ' ذاتی مشاہدہ و تجربہ' گہرا مطالعہ' انکشافِ ذات' بات سے بات پیدا کرنے کا عمل' اختصار' زبان و بیان پر مکمل گرفت' آزادہ روی اور موضوعات کی سنجیدگی نمایاں ہیں۔وہ ڈاکٹر وزیر آغا جیسے انشائی سرمائے کے مالک نہ سہی بہت سے دیگر انشائیہ نگاروں سے کسی طور کم نہیں۔اگر ان کے چند فن پارے بھی جدید انشایئے کی شعریات کی پابندی کرتے نظر آتے ہیں تو انھیں اس کہکشاں سے باہر نہیں نکالا جاسکتا جس میں جدید اردو انشایئے کے باقی ستارے اپنی موجودگی پر نازاں ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نظیر صدیقی، دیباچہ ''شہرت کی خاطر''، پاک کتاب گھر، ڈھاکہ، اپریل ۱۹۶۱ء، ص:۱۶۔

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''انشائیہ اُردو ادب میں''، مکتبہ فکر و خیال لاہور، جنوری ۱۹۸۵ء، ص:۴۷۔

۳۔ نظیر صدیقی، ''کچھ اپنے فن کی تعریف میں''، ایجوکیشنل بُک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۸۱ء، ص:۲۷۔

۴۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، ''اُردو میں انشائیہ نگاری''، نذیر سنز پبلشرز لاہور، اشاعت اوّل، ۱۹۸۹ء، ص:۲۵۲۔

۵۔ نظیر صدیقی، ''دوست اور دوستی''، ''شہرت کی خاطر''، ص:۶۲۔

۶۔ ایضاً ص:۶۳۔

۷۔ نظیر صدیقی، ''پدرم فقر بود''، مشمولہ ''شہرت کی خاطر''، ص:۸۰۔

۸۔ نظیر صدیقی، ''شادی''، مشمولہ ''شہرت کی خاطر''، ایضاً ص:۱۳۶۔

۹۔ نظیر صدیقی، ''آزادی اور شرافت''، مشمولہ ''شہرت کی خاطر''، ص:۱۲۱۔